قیمت بارہ آنے

قفس
روداد

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد باری تعالیٰ

حمدِ جنابِ باری	رکھو زباں پہ جاری
باقی ہے بس وہی رب	فانی ہے ما سوا سب
کافی ہے وہ اکیلا	باقی ہے سب جھمیلا
وہ خالقِ جہاں ہے	وہ رازقِ جہاں ہے
حاکم ہے بحر و بر کا	مالک ہے خشک و تر کا
فرشِ زمیں اسی کا	عرشِ بریں اسی کا
از ماہ تا بماہی	ہے اس کی بادشاہی
شاہنشہِ جہاں ہے	معبودِ انس و جاں ہے
حاکم ہے دو جہاں کا	مالک ہے ایں و آں کا

ہر جا ظہور اُس کا ہر شے میں نور اُس کا

ہر چیز میں نہاں ہے ہر چیز میں عیاں ہے

سب سے قریب تر ہے سب سے عجیب تر ہے

خورشید میں نہ آئے ہر ذرّے میں سمائے

کھائے پیئے نہ سوئے بولے ہنسے نہ روئے

بے آنکھ سب کو دیکھے بے کان سب کی سُن لے

بے ہاتھ پاؤں سب کام کرتا ہے وہ بہ آرام

ممکن نہیں کسی سے تعریف اس کی لکھّے

توصیف اُس خدا کی کیا لکھّے مشتِ خاکی

مذکور جلوۂ ذات

چھوٹا سا منہ بڑی بات

[illegible]

مامتا

ایک دن لڑتی ہوئی دو عورتیں
آئیں عادل شاہ کے دربار میں

ایک ننھے بچے پر تکرار تھی
دونوں اُس معصوم کی تھیں مدعی

شاہ نے ہر چند سمجھایا اُنہیں
تاکہ جو قصہ ہو وہ سچ سچ کہیں

پھر بھی لیکن یہ کہا ہر ایک نے
"میرا بچہ ہے عنایت ہو مجھے"

آخرش کچھ سوچ کر شہ نے کہا
"ہم ابھی آتے ہیں تم ٹھیرو ذرا"

کہہ کے یہ تشریف اندر لے گئے
اور اُس بچہ کو بھی لیتے گئے

کوئی دس بارہ منٹ میں لوٹ کر
آ کے بیٹھے بادشاہ پھر تخت پر

ایک خادم کی بغل میں ساتھ تھا
ایک صندوق آبنوسی خوشنما

شہ نے وہ صندوق رکھا روبرو
اور یہ کی عورتوں سے گفتگو

"اب بھی گر دونوں ہی نے دعویٰ کیا
تو بڑا نقصان ہوگا دونوں کا"

"بند ہے وہ بچہ اس میں دیکھ لو
کس کا ہے تم دونوں میں سے سچ کہو"

"جس کا ہے لے لے وہی ایمان سے
ورنہ پھر کیا فائدہ نقصان سے؟"

باوجود اس کے کہا ہر ایک نے
"میرا بچہ ہے عنایت ہو مجھے"

زیر دربار ایک دریا بہتا تھا
بادشاہ نے خادموں سے یہ کہا

"پھینک دو دریا میں اس صندوق کو
اور پھر ان دونوں کو بھی ڈال دو"

پھینک کر صندوق شاہ کے حکم سے — آئے خادم عورتوں کے واسطے
ایک تو بس جیتے جی ہی مر گئی — ایک خود دریا میں فوراً جا پڑی
اور جا لپٹی اُسی صندوق سے — تاکہ اُس کو ڈوبنے بہنے نہ دے
شاہ نے فوراً نکلوایا اُسے — اور یہ تاکید کی خُدام سے
لاؤ دو اِس بچہ کو اندر سے ابھی — اصل میں اس بچہ کی ماں ہے یہی"
شاہ نے بچہ تو اُس کو دے دیا — اور اس میں یہ سُنایا فیصلہ
"مستحق بچہ کی ہے یہ نیک بخت — دُوسری کو دس برس کی قید سخت"
دے کے بچہ ایک کو رخصت کیا — دوسری کو قید میں ڈلوا دیا

تم نے دیکھا؟ کیسی کُودی دَوڑ کر — مامتا کا ایسا ہوتا ہے اثر
جان کا اپنی نہیں بالکل خیال — لیکن اُس بچہ کا تھا ازبس مَلال
ماں کے رشتہ سے بڑا رشتہ نہیں — ماں سے بڑھ کر چاہنے والا نہیں
جاگنا راتوں کو بچہ کے لیے — اور پھرنا گود میں لے کر اُسے
بے مزہ ہو کچھ اگر بچہ کا جی — پھر نہ پُوچھو اُس کے دِل کی بیکلی
اور بچہ دودھ پیتا ہو اگر — اور اس کے پیٹ میں ہو کچھ کسر
یا اگر ہو جائے بچہ کو زکام — تو اسے دُنیا کی سب چیزیں حرام
کھانے میں پینے میں دن میں رات میں — جاگنے میں سونے میں ہر بات میں
الغرض ہر وقت ہے اس کو خیال — یہ نہ ہو تکلیف پائے میرا لال

حُسنِ سیرت

ایک لڑکی کا ذرا کالا تھا رنگ
اور اس کے بھائی کا گورا تھا رنگ

کھیلتے تھے مل کے وہ دونوں بہم
کچھ نہیں تھا اُن کے دِل کو رنج و غم

ایک دِن اُن کو کہیں گھر میں پڑا
اتفاقاً ایک آئینہ ملا

دیکھی صورت اِس میں دونوں نے جو ہیں
کھل کھلا کر ہنس پڑا لڑکا وہیں

اُس کے ہنسنے کا سبب وہ پا گئی
اور اپنے دِل میں شرمندہ ہوئی

آئی پھر روتی ہوئی وہ ماں کے پاس
اور یوں کہنے لگی ہو کے اُداس

"بھائی کو بُلوا کے اماجان ابھی
کہہ دو آئینہ نہ دیکھیں وہ کبھی"

ماں نے اُس کی جو بہت تھی ہوشیار
پونچھ کر آنچل سے آنسو کر کے پیار

اس کی ٹھوڑی کو پکڑ کر یہ کہا
"کون اس صورت کو کہتا ہے بُرا"

"خاصی اچھی شکل ہے اے میری جان
کچھ نہ کرنا اپنے دل میں تم دھیان"

"اور اگر ایسا ہی تم کو ہے خیال
اور صورت کی بُرائی کا ملال"

"تو کرو بیٹی ہمیشہ نیک کام
تا کہ ہو دونوں جہاں میں نیک نام"

"صورت اچھی گر نہیں تو شرم کیا
سیرت اچھی چاہیئے اے باحیا"

اور پھر بُلوا کے لڑکے سے کہا — "تم کو دعوےٰ ہو بہت کچھ حُسن کا

کیوں ہنسے تھے بہن کی تم شکل پر — کیا بُرائی اس میں آئی تھی نظر"

"یہ جو صورت ہے تمہاری چاند سی — ہے انہیں باتوں سے کچھ کچھ ماند سی"

"گر کسی کی شکل ہو سچ مچ بُری — تو بھی اس میں کیا خطا اُس شخص کی"

اور جس کو اچھی صورت دے خدا — اُس کو بھی کچھ حق نہیں ہے فخر کا"

"ہاں مگر جو کوئی اپنے ہاتھ سے — اپنی صورت کو بنائے آپ سے"

"شرم بھی جائز ہے بیشک فخر بھی — یہ نہیں ممکن مگر بیٹا کبھی"

کام اچھے کر کے تم اے میرے چاند
اپنی صورت کو لگاؤ چار چاند

سکنہ ع

بچپن کی یاد

ایک سہیلی کا خط پڑھ کر

بچپن کی کھیلی صادقہ میری سہیلی صادقہ
پیاری بھینلی صادقہ خط کا تمہارے شکریہ
مدت کے بچھڑے مل گئے برسوں کے روٹھے من گئے
سب لفظ دل میں گڑ گئے چوما سر آنکھوں پر رکھا
میں دور تھی مجبور تھی رنجوں میں چکنا چور تھی
ورنہ بگڑ تیں لاکھ تم میں آپ ہی لیتی منا
کنواری سے بیاہی ہو گئیں ضدن سے دلہن بن گئیں
بھولے ہوئے یاد آ گئے شادی سے اتنا تو ہوا
بچپن گیا گزرا ہوا تھی چار دن کی چاندنی
وہ رات آخر ہو چکی اب سر پہ سورج آ گیا
تاروں بھری راتیں گئیں! طاقوں بھری گڑیاں چھٹیں!
دن کھیل کے رخصت ہوئے اب وقت ہی کچھ کام کا
پیپل کی چھاؤں یاد ہے دن ڈھیر ہوتا تھا جہاں

مدّت ہوئی دیکھا نہیں واں گھونسلا تھا چیل کا
امّاں کا غُصّہ اور میں خالہ کی خفگی اور تم،
کیا وقت تھا! کیا بات تھی! مُطلق اثر ہوتا نہ تھا
چھوٹے کھنڈر میں لیٹنا مٹّی میں دَھم دَھم کُودنا
وُہ لوٹنا اور پوٹنا، اور آگے پیچھے دَوڑنا
پھر جھائیں مائیں کھیلنا[1]، کوڑی ذقن میں بھاگنا
کیسا سماں رخصت ہُوا، کچھ دھیان بھی ہے! صادقہ
گارے کے گھر مٹّی کے دَر لپٹے ہوئے تھے جن پہ پَر
اب پھر نہ آویں گے نظر جو کچھ وہ دیکھا خواب تھا
گر عید آتی تھی کبھی ہوتی تھی دِل کو کیا خوشی
چھم چھم کی ہوں گی چوڑیاں اِس دُھن میں راتوں جاگنا
کیا فائدہ اِس ذکر سے لگتی ہے دِل پر چوٹ سی

---

[1] جھائیں مائیں ایک کھیل ہے جو لڑکیاں دونوں ہاتھ پھیلا کر چک پھیری کھاتی ہیں اور کہتی ہیں جھائیں مائیں کوّے کی برات ۱۲

وہ سبزآخر ہوگئی اب رُاگ ہے بے وقت کا
بے فکر ہوتی تھی بسر غم کا نہ تھا دِل پر گزر
رُخصت ہُوا بچپن مگر یہ پھل ہمیں دیتا گیا
جھک جھک میں دِن سارا کٹے رَیں رَیں میں گُذری رات سب
رنج والم سر پر رہیں ہر دَم ہو غم کا سامنا
اب ختم ہونا ہے یہ خط پھولو پھلو شاد رہو
بیلیں بڑھیں، گُود ی بھرے، بیٹا ہو پیدا چاند سا
جھولے کا گانا یاد ہے سچ مچ ہی وہ دِن آ گئے
جا پہنچیں پیاری صادقہ "لینے کو ساجن آ گئے"

"عصمت" مارچ سنہ ۱۹۰۹ء

بیٹیوں کی فریاد

بیٹی والیوں! وقت کو جاتے دیر نہیں لگتی۔ یہی چار چار، پانچ پانچ برس کی مینائیں جو آج باتیں ملکاتی پھرتی ہیں ان کی پالکیاں آن لگیں۔ اٹھواہنیں سوار کراؤ۔ سنو یہ کیا کہہ رہی ہیں" اور سوچو کہ سچ ہے یا غلط)

پکچھ عرض کرنے ماؤں سے۔ آئی ہیں یہ دکھیاریاں۔
صورت سے ظاہر بیکسی۔ چہرے سے حسرت ہی عیاں
جس حال میں رکھا رہے۔ ہم نے نہ کی زنہار اُف
رکھی ہو آدھی بات گر منہ پر تو کٹ جائے زباں
جو آگیا وہ لے لیا۔ جو دے دیا وہ کھالیا
جب نیند آئی پڑرہے۔ ہم نے جگہ پائی جہاں
شرم وحیا عادت رہی۔ صبر ورضا شیوہ رہا
منہ تک کے چپکے ہو گئے۔ بے وجہ کھائیں گھرکیاں۔
گو بھائیوں کے ہاتھ سے۔ پٹتے رہے کٹتے رہے
اتنی نہ تھی ہمت مگر۔ کرتے کبھی تم سے بیاں،
اب ظلم کی حد ہو چکی۔ انسان ہیں آخر کو ہم
گو منہ سے ہم خاموش ہیں۔ دل سے نکلتا ہے دھواں
کنبہ کی طاعت ہم نے کی۔ گھر بھر کی خدمت ہم نے کی

تم چین سے سوئیں اور ہم۔ بہنوں کو دیتی لوریاں
بیٹے مبارک ہوں تمہیں۔ مہمان کو رخصت کرو
وہ وقت آخر ہو چکا اب ہم کہاں اور تم کہاں

اب ہم کو دنیا ہے نئی۔ دانا نیا پانی نیا
جانا ہے ایسے دیس ہیں۔ پردیس سے جو ہی سوا
چلنا ہزاروں کوس ہے۔ رستہ کٹھن منزل کڑی
چاروں طرف سُنسان ہے اور سر پہ بادل چھا گیا
بستی بسانی ہے وہ جس کو آج تک دیکھا نہیں
سب بسنے والے غیر جس کے اجنبی چھوٹا بڑا
دم بھر ہیں طعنوں سے کریں چھلنی کلیجہ گو د کرا
پتّھر سے بدتر جن کے دل۔ اُن سے ہمیں پالا پڑا
کھٹکیں نہ پھانسیں ساس کی ہنس ہنس کے ہم باتیں سنیں
آکر بڑوں کی لاج کا ٹھیرا ہے اس پر فیصلہ
فاقوں پہ فاقے ہوں اگر۔ رہنے کو چھپّر ہو نہ در
ہو تنگ دستی۔ مفلسی۔ آئے نہ لب پر کچھ گلہ
جو ظلم ہو سہہ لیں اُسے جو آ پڑے جھیلیں اُسے
جب مٹ کے ہم ہوں خاک اماں۔ تم کو بنائیں کیمیا
شاباش کیا انصاف ہی۔ صد آفریں کیا واہ ہے

اس پر بھی بیٹی بیاہی کو "داخل پڑوسن" ہی کہا

غیروں کے جائے اور ہم اب گھر پہ آئے اور ہم
ننھی سی جاں دُکھ سینکڑوں سودا ہزار اور ایک سر
سُکھ چین کے دِن ہو چکے۔ بے فکر نیندیں سو چکے
دِن عیش کا شام ہو گیا۔ آنے لگے تارے نظر
نِکلا لڑکپن بے وفا۔ میکا فقط تھی اک سرا
آخر جرس بجنے لگا۔ اور آ گیا وقتِ سفر
شفقت بھری باتیں کہاں! وہ دن کہاں راتیں کہاں
ماما کا پھوا خواب تھا۔ جو آ گیا اوّل نظر
آ پہونچی در پر پالکی۔ محنت ہے سولہ سال کی
مل کر گلے رخصت کرو ہونے لگی ہے دوپہر
وہ میٹھے چاول اور کڑہی باتیں ہیں سب دل میں گڑی
فریاد ہے دل میں بڑی۔ آتی نہیں لب پر مگر

"عصمت" اپریل سنہ ۱۹۱۰ء

چراغِ سحری

نہایت بدنصیب ہیں وہ لڑکیاں جو ماباپ جیسی چیز کی قدر نہیں کرتیں ان کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اگر یہ ناخوش دنیا سے اُٹھ گئے تو وہ دنیا میں مشکل سے خوش رہیں گی رہا قیامت کا فیصلہ وہ الگ ہے

ماباپ جیسی نعمت — دولت ہے یہ غنیمت
چومو قدم تم اِن کے — مہماں ہیں چند دِن کے
لے لو بلائیں اِن کی — سُن لو دعائیں اِن کی
خیریں مناؤ اِن کی — بیلیں بڑھاؤ اِن کی
دروازۂ دعا ہیں — محبوبِ کبریا ہیں۔
بے مکر و بے ریا ہیں — سو جان سے فدا ہیں
آنکھیں بچھانے والے — دولت لُٹانے والے
انسان بنانے والے — عزت بڑھانے والے
ہو دردِ سر نہیں گر — بن جائے ان کی جان پر
کھانا انہیں مصیبت — سونا انہیں قیامت
عاشق ہیں اور سچے۔ — ہیں دوست اور اچھے
ان سے رفیق زیادہ — بس نام ہے خدا کا
ہم کیسے ہی تونگر۔ — تاجِ شہی ہے سر۔

یا مفلسوں سے بدتر — رہنے کو گھر نہ چھپّر
ہو کیسی ہی امیری — کتنی ہی ہو فقیری
بڈّھے ہو یا جواں ہو — تم ان کو ایکساں ہو
اِن کو تمہاری صورت — سچ مچ ہے ایک نعمت
بھوکے نہیں تمہارے — ہیں مامتا کے مارے
طاقت پہ پھولنا مت — وہ وقت بھولنا مت
کچھ زور تھا نہ طاقت — تھی گود ماں کی جنت
زیروں سے شیر ہوکر — اب تم دلیر ہوکر،
غرّا کے اِن پہ آؤ — باتیں انہیں سُناؤ
دُشمن بتاؤ اِن کو۔ — جھوٹا بناؤ اِن کو۔
فقرے سُناؤ اِن کو — آنکھیں دکھاؤ اِن کو
صورت سے اِن کی نفرت — باتوں سے اِن کی وحشت
بے عقل اِن کو سمجھو — مرنے کے منتظر ہو
سب مال و زر لٹاکر — خونِ جگر پلا کر
جو بیج تھا لگایا۔ — اب اُس سے پھل یہ پایا
حسرت نصیب ہیں یہ — کیا بد نصیب ہیں یہ
افسوس اِن کی محنت — ساری گئی اکارت
میٹھی زباں سے بولو — دل ان کے ہاتھ میں لو
کچھ دِن کی بات ہے یہ — یوں سمجھو رات ہے یہ
گاڑے صبح نے جھنڈے — اور یہ چراغ ٹھنڈے!

"عصمت" مئی ۱۹۱۰ء

"لال کی تلاش" علامہ محترم کا ایک معرکۃ الآرا افسانہ ہے۔ شعبانہ سے اُس کا بچہ احسن بچھڑ گیا ہے۔ اور ماں مامتا کی ماری ماں چاروں طرف ڈھونڈھتی پھرتی ہے ایک موقعہ پر شعبانہ۔ احسن کو یہ پیام بھیج رہی ہے:۔

اِس دِل کی لگی نے کیا جوگن۔ گھر بار چھٹا تیرے کارن
نیناں ترسیں دِکھلا درشن چھتنیں لگ جا آ جا احسن

دِن رات ہوئے عمریں بیتیں۔ کِھل کِھل کر پھول ہوئیں کلیاں
پر دِل کی کلی میری نہ کِھلی۔ جنگل دیکھے۔ ڈھونڈیں گلیاں

چلتی ہے ہوا پھولوں میں بسی۔ کہسار میں جب دِن ہوتا ہے
آتی نہیں بو تیری لیکن۔ دِل خون کے آنسو روتا ہے

پچھّوں سے چھٹا دِن بھر کا فلک جب گود میں تارے لیتا ہے
اُس وقت دِلِ مجروح میرا اندر سے صدا یوں دیتا ہے

کہہ دو بچو اتنا بادِ صبا احسن کی طرف ہو کر جانا
چھتنیں لگ جا یوں ہی احسن، ماکیسی لونڈی شعبانہ

"عصمت" جون سنہ ۱۹۱۰ء

اسلم کا خط شوہر کے نام

بیس پچیس برس کا ذکر ہے چیکھوں کے محلہ سے اکبر آباد میں ایک
برات رخصت ہوئی۔ یہ شادی دیکھنے میں تو معمولی تھی مگر اس لئے
کہ شرع اسلام کے موافق نکاح سے قبل دولہا دولہن نے ایک دوسرے
کی صورت دیکھ لی تھی مدتوں بچہ بچہ کی زبان پر چرچا رہا۔ سینکڑوں
گھروں میں جہاں رسوم کی پابندی خدا کے حکم سے بھی زیادہ ہے
اس کی ہنسی اُڑی اور ہزاروں لوگ جو اسلام کے
احکام کی زیادہ وقعت نہیں کرتے اس پر لعن طعن کرتے
رہے۔ اعتراض کرنے والے کہتے تھے کہ جب نوبت یہاں تک
پہونچ گئی کہ دوسروں کی دیکھا دیکھی مسلمان لڑکیوں کو
غیر مردوں کے سامنے کرنے لگے تو اب اس قوم کا خدا
ہی حافظ ہے۔ دُلہن کے باپ کا بیان تھا کہ اسلام کا حکم
صاف ہے۔ اور جب تک دونوں کی رضامندی نہ ہو نکاح نہ کرو
بہرحال اسلم جو اس برات کی دُلہن تھی اپنے شوہر کے
گھر پہنچ گئی چار پانچ سال تک میاں بیوی نے خاصی اچھی زندگی
بسر کی۔ محبت جو شادی کا اصلی مقصد ہے حاصل تھا۔ اور دونوں

باوجود مُفلسی کے اپنے حال میں خوش تھے۔ آمدنی کا کوئی ذریعہ چونکہ معقول نہ تھا اس لئے جو کچھ زیور برتن وغیرہ اسلمہ کو میکے سے ملے کام آئے۔ مگر جب سب خاتمے لگ گیا اور نوبت فاقوں کی آئی تو مجبوراً شوہر معاش کی تلاش میں باہر نکلے ریاست حیدرآباد کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ باپ دادا کے حقوق کام آئے اور ڈیڑھ سو روپیہ کی ملازمت مل گئی۔ دو تین مہینے تک یہ سلسلہ قائم رہا کہ سو روپیہ مہینہ بیوی کے خرچ کا آتا رہا۔ مگر اس کے بعد رفتہ رفتہ بالکل ہی بند ہو گیا۔ اور اسلمہ کی جگہ ایک دوسری عورت گھر کی ملکہ بن گئی۔

تعدّد ازدواج یعنی مردوں کے نکاحوں پر اعتراض خود اسلام پر اعتراض کرنا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس اجازت کا ایسا ناجائز فائدہ اُٹھایا کہ گویا اسلام کو اپنے ہاتھ سے کُند چُھری پھیر کر ذبح کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج دوسرے ہم پر مُنہ آتے اور ہمارے پاک مذہب کا مضحکہ اُڑاتے ہیں یہ شوہر دار بیوہ اسلمہ پانچ چھ بچوں کی ماں تھی۔ اگر اکیلا دم ہوتا تو جہاں بیٹھ جاتی اُس کے دم کو روٹی کی کمی نہ تھی خود اس کا اپنا چچازاد بھائی نائب تحصیلدار موجود تھا مگر اس دھاڑے کو لے کر کس کے گھر بیٹھتی۔ جس طرح ہوا محنت مزدوری کی

اور پیٹ پالا بچّے بڑے ہوئے تو دنیا کی تمام امیدیں اُن کے ساتھ تھیں اُن میں سے بھی دو اکو مد اور سلمہ وغا دے گئے۔ مصیبت کے پہاڑوں نے جب اسلمہ کی زندگی برباد کردی تو ایک روز آدھی رات کے وقت اُس نے اپنے شوہر کو ایک خط لکھا جس کی نقل ہمارے ہاتھ آگئی اور ہم اِس کو کچھ اس غرض سے درج نہیں کرتے کہ اس میں شاعری کا کمال ہے بلکہ ایک بدنصیب لڑکی کے جذبات اور اس کی حالتِ زار کی تصویر ہے۔

خط

گلدستۂ نُورِ قمر — حاصل ہوں خوشیاں پیٹ بھر
بے سُود ہو یا بے اثر، — کچھ عرض کرنا ہے مگر،
ہے التجا مظلُوم کی — فریاد ہے معصوم کی
عِزّت بڑھے سرکار کی — بیلیں چڑھیں پَروار کی۔
اقبال کی گنگا بہے — کھیتی پھلی پھولی رہے
دولت کی جھڑیاں رات دِن — خوشیوں کی گھڑیاں رات دن

کچھ دھیان ہے کیا وقت تھا — جب تُم اور ہم تھے ایک جا؟
ہے یاد کیا اقرار تھا — شادی کا جب رقعہ دِیا؟

اللہ وہ باتیں کہاں　　وہ دن کہاں راتیں کہاں!
اب ہم پہ وہ وقت آ گیا　　دشمن نہ دیکھے اے خدا!
عزّت پہ ذلّت چھا گئی　　راحت پہ آفت آ گئی
دل مر گیا جاں گھل گئی　　تم کیا گئے دنیا گئی!
زیور کے بدلے لیتڑے　　کپڑوں کے بدلے چیتھڑے
پتھر سرہانے دھر لئے　　فاقوں پہ فاقے کر لئے
دم خون کے سے پی لئے　　درزی کے کرتے سی لئے

بدشکل ہوں گھن کھائی ہوں　　پنچوں کی لائی آئی ہوں
ناکیں رگڑ کر لائے تھے　　پونہچا پکڑ کر لائے تھے
کچھ شرم رکھتے ساتھ کی　　کچھ لاج رکھتے بات کی
بے شرع کچھ شادی نہ تھی　　کیا شکل دکھلا دی نہ تھی؟
اچھی بُری جیسی بھی تھی　　کالی سیہ کیسی بھی تھی
دم دم کے پھر پھیرے تھے کیوں　　ابّا کو سب گھیرے تھے کیوں
اس وقت تھے ہیرے جڑے　　ہیں آج کیا کیڑے پڑے

ایک زندگی برباد کر　　ایک شاد دل ناشاد کر
معصوم بچّے چھوڑ کر　　برسوں کا رشتہ توڑ کر
تُف خاک گر جنّت ملی　　آفت ہے گر راحت ملی

ہو متقی اور پارسا ایمان سے کہنا ذرا
خدمت میں گر کی ہو کمی طاعت سے گھبرایا ہو جی
سر پر گھٹا کالی بھنور پنکھے جھلے ہیں رات بھر
چلّوں سے اُٹھے ہاتھ جل تیوری پہ پر آیا نہ بَل-
گو باپ کا سایہ نہ تھا پھر بھی جہیز اتنا تو تھا
ہوتا وہی اب پاس گر پھرتی نہ ماری دَربَدر
دو سو کی ٹھسّی وہ ڈلا بھرتا تھا جس سے سب گلا
بنیے کو جاکر تم نے دی اور ہیں نے دیکھو اُف نہ کی
احساں نہیں یہ فرض تھا شکر خدا پُورا ہُوا
سرتاج ہو مولا ہو تم مختار ہو آقا ہو تم
بچّوں کا بچپن تم سے ہے اسلم سُہاگن تم سے ہے!

گوُڈر لپیٹی بیٹیاں رتّی کی ہوں لاکھ ہیٹیاں
کُرتے لیری اِن کے ہوں شلوار جھیری ان کے ہوں
فاقے ہیں ہو ان کی بسر رہنے کو جھگی ہو نہ دَر
سَر پر دوپٹّا ہو پھٹا لیکن یہ تصویرِ وفا
مانا کہ اب محتاج ہیں لیکن بڑوں کی لاج ہیں
گُھل گُھل کے دے دیں جان یہ ہوں لاج پر قربان یہ
کُنبہ کی عزّت اِن سے ہے دُنیا عبارت اِن سے ہے

ساتھی بنا کر چھوڑنا دُکھتے ہوئے دِل توڑنا
گھونگٹ کے وعدے بھولنا اُلفت کی آنکھیں پھیرنا
ہے کس کے مذہب میں روا کمزور کو مارا تو کیا!
بکواس تھی جو کچھ لکھا اب کیا پھرے گا گھر بھلا!

جس سے خزاں جانے کو تھی جس میں بہار آنے کو تھی۔
اُس دِل کی کیاری لُٹ گئی جو آس تھی وہ چھٹ گئی۔
پھولا پھلا گلشن لُٹا اکرم سا جب کرڈیل اُٹھا
سلمہ سی مینا مر گئی جینا اجیرن کر گئی۔

اب دو روپے اور دو قفس
اللہ بس باقی ہوس

"عصمت" جون ۱۹۱۵ء

یہاں تارے چمکتے ہیں۔ ہوا یہاں ٹھنڈی ہے
کلیجہ سے میں لپٹا لوں میرے لختِ جگر سو جا
جگاؤں گی سلاؤں گی۔ کھلاؤں گی پلاؤں گی
میرا بچہ بڑا ہو گا۔ میرے نُورِ نظر سُو جا
اُمنگیں تجھ میں پنہاں ہیں۔ اُمیدیں تیرے دم سے ہیں
نہ رو اتنا میرے بیرن کٹے ہیں دو پہر سُو جا
میں صدقے اپنے بچے کے۔ میں قرباں لال کے اپنے
بس اب میں تھک گئی ساجن تو مجھ سے ضد نہ کر سو جا
پھلے پھولے میرا لالہ۔ دولہن لاؤں میں چندا سی
مچل اتنا نہ اے دولہا۔ میرے رشکِ قمر سُو جا
ہزاری عمر ہو تیری۔ تیرا ہو فیض عام ایسا
کہ ہوں مداح دُشمن دوست ہر فردِ بشر سُو جا
نمونہ باپ کا ہو تو تو سچا ہو تو اچھا ہو للہ
میری کشتی کے اے کھیوا۔ میرے سر بدلے کا سر سُو جا

تیرے جوگُن ہوں اچھّے ہوں کہ یہ دنیائے فانی ہے
کٹھن ہے سامنے منزل سفر ہے پُرخطر سُوجا
بہت سی سختیاں جھیلیں، ہزاروں دُکھ اُٹھائے ہیں
بہت سے دِن گنوائے ہیں بس اب غصّہ نہ کر سُوجا
کری قربان ہیں راتیں سُنی ہیں جب یہ دو باتیں
رہیں یہ پھُول سی لاتیں۔ میرے شبیر پُرشوجا
یہ رونا اور ہنسنا کچھ رہے گا یاد بھی بھائی
یہ کیسی مسکراہٹ ہے جو آئی ہونٹ پر سُوجا
ضعیفی کا گذارا تو۔ بڑھاپے کا سہارا تُو
بھلائی کا نظارہ تو، بُرائی کی سپر سُوجا
سُہانا وقت ہے آئی صدا اللہ اکبر کی
وضو کرنے دے اب بھائی میری نورِنظر سُوجا

"عصمت" دسمبر ۱۵ء

ایک سہیلی کا خط اُس سہیلی کو
جو
ماموں کے ہاں بیاہی جاتی ہے

بچوں سے پیاری آمنہ میری دُلاری آمنہ
بچپن کی کھیلی آمنہ میری سہیلی آمنہ
سر پر کھڑی تھی جو گھڑی کھٹکا تھا جس کا آمنہ
جس دن کا دھڑکا تھا سدا ہے آج اُس کا سامنا
ماموں کی اُلفت ٹھیک ہے۔ مانا ممانی نیک ہیں
سسرال میکے سے بھلی اور گھر بھی دونوں ایک ہیں
سنگی بھی ہیں ساتھی بھی ہیں پھوپی بھی ہیں نانی بھی ہیں
پردیس بہتر دیس سے، اپنا بھی ہے پانی بھی ہے
ہے لاکھ رستہ خوشنما، منزل ولیکن ہے کڑی
اس دل سے پوچھو درد یہ، جس پر کہ ہو آکر پڑی
پالا ہے ایسوں سے پڑا تعلیم سے جو دور ہیں

تہذیب سے ناآشنا، نخوت میں چکنا چور رہیں
طعنے بھی ہیں تشنے بھی ہیں۔ نندیں بھی ہیں ساسیں بھی ہیں
خاطر مداراتیں بھی ہیں چبھتی ہوئی پھانسیں بھی ہیں۔
نازونعم کی پالیاں جھومر جھلنیاں والیاں
جگ پیاریاں پی پیاریاں ہیں سب یہ دیکھی بھالیاں
یہ تپ کے ہیں کندن بنی دکھ سہ کے راحت پائی ہے
آفت سے راحت ہی ملی ذلت سے عزت پائی ہے
اب اگلی باتیں بھول جا برسوں کے رشتے توڑ دے
پتے کو باہر پھینک دے اور ضد ہٹیلی چھوڑ دے
ہیں چند دن کی سختیاں تھوڑی سی مارا مار ہے
ہے رام کرنا "ایک" کا بس پھر یہ بیڑا پار ہے

"عصمت" نومبر ۱۵ء

التجائے قیصر

اس دردانگیز نظم کے واقعات اس طرح ہیں کہ جب قیصر کے شوہر احمد نے دوسرا نکاح کرکے پہلی بیوی قیصر پر طرح طرح کے ظلم توڑے تو اس کی دوسری بیوی قیصر کی سوکن نے قیصر کے ایک بچہ کو زہر دے کر مار ڈالا۔ پولیس نے تفتیش کی۔ احمد نے ثابت کیا کہ بچہ قیصر کا نہیں دوسری بیوی کا تھا اور زہر قیصر نے دیا۔ جب قیصر اس جرم کی سزا بھگت رہی تھی اس کا ایک اور بچہ دنیا سے رخصت ہوا۔ رہا ہو کر آئی تو حالت ردی تھی اسی حالت میں چھوٹا بچہ نصرت جس کو باپ نے بے خطا محض سوتیلی ماں کی شکایت پر مارا تھا مر گیا۔ یہ بچہ بے گور و کفن گھر میں پڑا ہے اور آج ہی احمد کے ہاں دوسری بیوی کے لڑکے اکرم کی چھٹی ہے قیصر اسی حالت میں گرتی پڑتی احمد کے در پر صدا دے رہی ہے کہ زچہ اور بچہ کا صدقہ نصرت کو اٹھوا دو شوہر کے پاس سے لوٹ کر مردہ بچہ کو لیتے ہی قیصر بھی ختم ہوتی ہے۔

ہو خضر کی عمر احمد کو عطا ہشاش رہے دل شاد رہے
اس چندر کی جوت اتر دکھن یہ تیری سبھا آباد رہے

اکرم سے بڑوں کا نام چلے اس لال سے لاکھ بسیں کھیڑے
سنسار میں دھوم اس لال کی ہو اقبال کے ہوں در پر ڈیرے

بیگم سے بڑھ ہیں بیلیں تیری — سکھ چین کی ہوں ہر دم گھڑیاں
دن رات سماں یہ عیش کا ہو — دولت کی پڑیں جھنجھر جھڑیاں

ٹکھڑے کی تیرے شیدا لونڈی — قدموں کی تیرے بھوکی قیصہ
اب تیرے دوارے آئی ہے — کچھ رحم کی اس پر ہووے نظر

حق دار نہیں بھکیارن ہوں — منتی ہے میری کچھ زور نہیں
بپتا کے ہیں وہ انجھر میرے — کچھ جھوٹ نہیں غل شور نہیں

ننگی بھی رہی فاقے بھی کیے — سب درد سہے بپتا بھگتی۔
چادر نہ ملی - پنکھا نہ جھڑا — سب بیت گئے جاڑا گرمی

فاقوں پہ پڑیں فاقے پیہم۔ — ایک دانہ صبح و شام نہ ہو
عرفان کے دانت سو دانت بجیں — گھر بھر میں روئی کا نام نہ ہو

شربت کو ترستی "اکرامی" — اس گود میں ماں کی دم توڑے
صورت کو پھڑکتا "عرفانی" — ماقید میں ہو دنیا چھوڑے

ماپاپ کی مجھ سے لاج گئی! — پھر وہ ٹوٹا وہ آن گئی!

آئی نہ زباں پر اُف، لیکن — سچ کہہ احمد قربان گئی

لے ہاتھ اُٹھا کر پا کر تو — دے آج تصدّق اکرم کا
کچھ نیگ نہیں کچھ جوگ نہیں — بس صدقہ اُس ننھن بیگم کا

ہو یاد اگر "نصرت" پیارا — بیدردی سے تھا جس کو مارا
بے گور و کفن ہے گھر میں پڑا — کیا درد بھرا ہے نظارہ

کیا کیا نہ ستم توڑے میں نے — کیا کیا نہ غضب اور قہر کیا
ستا وات کی لاج گنوا کے چلی — ایک لال کو اپنے زہر دیا

دُنیا میں نہ تھا حامی کوئی — شاہد ہے پر ایک قدرت والا
اندھیارے کا دیکھن ہاراوہ — بینن والا عزّت والا

دربار بڑا سرکار بڑی — بیکس کی حمایت لے گا وہ
جن آنکھوں نے دیکھا حرف بحرف — قیصر کی شہادت دے گا وہ

جانے دو، چلو سب ٹھیک سہی — اس صبح کی آخر شام تو ہے
قیصر کے کلیجے کا ٹکڑا — کہنے کو تمہارا نام تو ہے

ہے نام کی لاج ابھی باقی　　ٹھیری ہوں فقط اسی کارن
عزت پہ لگے گا دھبہ یہ　　گر اس کو ملا غیروں کا کفن!

وہ جان کی قسمیں لاکھوں ہی　　وہ قول و قرار امید و اثر
بچپن کی کتھا گر ذہن میں ہو　　گھونگھٹ کے وعدے ہوں یاد اگر

اُن سب کے حوالے دیتی ہوں　　تو اتنی بپتا سن لے میری
اُٹھوا دے میرا بچہ احمد!　　لونڈی تیری چیری تیری

لونڈی کا تیری بچہ نصرت،　　معصوم کا مُردہ ہے احمد!
بیدوں سے پٹا! ہاتھوں سوکٹا　　مظلوم کا مُردہ ہے احمد!

قیصر کی صدا بے کار رہی　　اچھا رخصت حافظ ہے خدا!
کہلاتی تھی "بیوی" جیسی بھی تھی　　کر معاف میری اب ساری خطا

تو دونوں جہاں میں شاد رہے　　جاتی ہوں میں اب دل صاف کیا
جو تونے کیا وہ خوب کیا　　آباد رہے سب معاف کیا

ایک جلوہ فانی تھا احمد　　بہتر نہ رہی بدتر نہ رہی
وہ دن نہ رہے راتیں نہ رہیں　　بچہ نہ رہے "قیصر" نہ رہی

۱۹۱۷ء

صدائے راشد

میں شعر کہنے کا مدعی نہیں ہوں۔ میرے خیالات اتفاق سے اس نظم کی شکل میں ڈھل گئے ہیں۔ کوئی صاحب مہربانی فرما کر انہیں شاعری کی کسوٹی پر نہ پرکھیں۔ راشد الخیری

برسات کی یہ رات اور پچھلا پہر سر پہ گھٹا
ہے کس قیامت کا اندھیرا ہر طرف چھایا ہوا
ٹھنڈی ہوا برسات کی، اور سائیں سائیں رات کی
قانونِ قدرت کا ہے ہر ہستی پہ جادو چل رہا
اِس عالم سنسان میں جھونکے ہوا کے کان میں
انگنائی میں دالان میں لاتے ہیں یہ کیسی صدا
ڈوبی ہوئی ہے درد میں لگتی ہے دِل پر چوٹ سی
ہر لفظ دِل کے پار ہے چبھتا ہوا گڑتا ہوا۔
ہو درد کا گر کچھ اثر۔ راحت بھی دی فرصت اگر
سن لو ذرا تو کان دھر کیا بات ہے کیا ماجرا
دلکش نہیں کہرام ہے نغمہ نہیں پیغام ہے
دھوکا نہیں اسلام ہے از ابتدا تا انتہا

قرآن کے الفاظ ہیں حکم نبی کے راز ہیں،

راشد کی اِس آواز ہیں، دیکھو تو کیا کیا ہے چھپا

دُنیا کی سیریں اِس میں ہیں، دریا کی لہریں اِس میں ہیں

عقبےٰ کی نہریں اِس میں ہیں، چشم تامل ہو ذرا،

ہیں یہ وہ لعل بے بہا۔ جن سے قمر بڑھ کر نہیں

وہ پھول ہیں اِسلام کے جن کو خزاں کا ڈر نہیں

(۴)

شرم وحیا کی دیویوں! مہر و وفا کی پتلیوں!

اے معدنِ صدق وصفا خوشیوں کی حدّ انتہا

زِندوں کی راحت تم سے ہے، مُردوں کی عزّت تم سے ہے

بچّوں کی رکھ پت تم سے ہے، جن کو جواں تم نے کیا

بیکس کو طاقت تم نے دِی، مفلس کو دولت تم نے دِی

لاریب ہستی ہیں تمہاری، رازِ جنت ہے چھپا

غمخواریاں مظلوم کی، دل داریاں معصوم کی

جن کا کوئی حامی نہ تھا، اُن کی ہوئیں تم آسرا

غُربت میں صابر تم رہیں، آفت میں شاکر تم رہیں

پاؤں میں جُوتی ہو نہ ہو سر پر دوپٹا ہو پھٹا

صدموں کے پاپڑ بیل کر، رنجوں کی کڑیاں جھیل کر

ہر حال میں راضی رہیں، آیا نہ لب پر کچھ گِلا،

شوہر کی طاعت تم نے کی ، بچوں کی خدمت تم نے کی
عصمت کی وقعت تم نے کی ، پردہ سر آنکھوں پر رکھا
کھنڈلوں کو جنّت جان کر ، کونوں کو رحمت مان کر
اسلام کے احکام کو لاریب پورا کر دیا
الحق کہ اب اسلام کی باقی حمیت تم سے ہے
لاریب و صدقنا کہ اب دنیا کی زینت تم سے ہو

(۳)

ہشیار مسلم بیبیو ! آنکھیں ذرا اونچی کرو !
مغرب سے دیکھو جھوم کر ، اُٹھی ہے یہ کیسی گھٹا
جنگل میں منگل کر دیا ، سبزے میں جل تھل کر دیئے
اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی ، بھرتی ہے فرّاٹے ہوا
کتنا موثر ہے سماں ، کیسا سہانا وقت ہے
زندوں کو مالا مال کر ، مُردوں کو زندہ کر دیا
جِدّت کی لذّت اس میں ہو ، رنگِ حکومت اس میں ہو
لطف و مسرّت اس میں ہے ۔ ہے اس میں جینے کا مزا
پھینکو پُرانے بیتڑے ، چھوڑو یہ ہیری جھنجھڑے
گاؤن بھی ہو اور بوٹ بھی ہے وقت کا یہ اقتضا
بچوں کو گھر میں چھوڑ کر شوہر کی رسّی توڑ کر
کھیلوں میں جاؤ دوڑ کر ! یہ وقت ہے کچھ کام کا

دھوکے کی ٹٹی ہاتھ ہیں، مذہب کے نعرے ساتھ ہیں
لفظِ شرع ہر بات ہیں، یہ گُر ہے بس اسلام کا
احبسُ[1] کے دورے اور تھے، نہی النساء کا وقت تھا
چولھے ہیں اب برقعے رکھو، پردہ کو دو ٹوکا لگا۔
وہ دور اول اور تھا، اب رنگ دُنیا اور ہے
وہ صحبتیں برہم ہوئیں، اب یہ تماشا اور ہے

(۴)

اِن جوہروں سے خوب جب ہو جاؤ مالا مال تم
شہرت سے تاجِ زندگی جس وقت اُٹھے جگمگا
بارہ مہینے تیس دن، بیمار جب رہنے لگو۔
اور زندگی اس پر رہے پہلے دوا پیچھے غذا
جب گھٹتے گھٹتے رات دن جی گھر ہیں گھبرانے لگے
اور صورتِ خاموش قلبِ مضمحل کا دے پتا
شوہر کی طاعت عار ہو، بچوں کی اُلفت خار ہو۔
نخوت گلے کا ہار ہو، ہمراز و ہمدم آئینہ
سرمہ بلائے جان ہو! جھاڑو سے کسرِ شان ہو
مرغوب شاہِ دوسرا، مردود ہو رنگیں حنا
مثنٰی، ثُلاثہ اور رُبٰع جس وقت سمجھو ظلم ہے

---

[1] احبسوا النساء فی بیوتکم فان النساء عورۃ۔

وقتی ضرورت کا سبب جب ہو خدائی فیصلہ
پردہ کی کردے وقت جب تصریح وتشریح اس طرح
ہے دیکھ لینا مرد کو عورت کا ایک فعلِ روا
مہر ووفا کی جائیاں شرم وحیا کھونے لگیں
اور بیبیاں ، ستونتیاں ، اکلوتیاں ہونے لگیں

(۵)

زندہ رہیں اس وقت جو افراد باقی قوم کے
چھوٹا سا یہ پیغام ہے ، لِلّٰہ پہنچاویں ذرا
مُہر و وفا کی جائیو! صدق و صفا کی مائیو!
اے مرحبا صد آفریں ! مسلم خواتیں حبّذا
مردوں کی عزّت کھو کھوا، شوہروں کے دیدے دُھو دُھلا
جو کچھ بھرم تھا قوم کا ، اب وہ بھی رخصت کردیا
دولت کبھی کی تھی گئی ، حشمت کبھی کی تھی لٹی!
پردہ کے دم سے کچھ بھرم باقی رہا تھا قوم کا
موچھوں کو دے کر پیچ و خم پھرتے تھے چھیلا بن کے ہم
گھر میں دوپٹا ہے پھٹا - اس کا پتا چلتا نہ تھا -
دورِ حکومت بیٹ بٹا ، وہ زور و طاقت گھٹ گھٹا
اس ذلّت و افلاس میں جو کچھ رہا اب وہ یہ تھا
ساجوں کی جاں نورِ نظر ، شاہوں کے دل نورِ بصر ،

دو چار آنے آئے لیے ، محنت مشقت کر کر آ
صبر و رضا کے پاؤں سے شکرِ خدا کرتی ہوئی
تم دوڑ کر آگے بڑھیں ، چولھا تو اسید ھا کیا
جاڑے میں انگیٹھی سیئے ، گرمی میں پنکھے جھل جھلا
شوہر کو اور بچوں کو جب تم نے دیا کھانا کھلا
اس وقت بیٹھیں آپ تم ، سالن کو دیکھا تو وہ کم
کھائی پتیلی پونچھ کر اس طرح پیٹ اپنا بھرا
اب جس کو کہتے ہو برا اور اس طرح سے پر ملا
قانونِ قدرت تھا وہی وہ تھا خدائی فیصلہ

(۶)

گرمی کے سخت ایّام ہیں ، برکھا کی صبح شام ہیں
چولھے سے فارغ ہو کے تم ، اٹھتی تھیں جب روٹی پکا
میلے کچیلے چیتھڑے ، گیلے پسینے میں بھرے۔
تھا ایک بچہ گود میں۔ کندھے سے اک چمٹا ہوا
دیکھا جنھوں نے یہ سماں۔ گو آج وہ قبروں میں ہیں
لیکن ابھی یہ آسماں ، شاہد سروں پر ہے کھڑا
پھولوں کی نکہت تم میں تھی فطرت کی رنگت تم میں تھی
اور تھے فرشتے جھوم کر کہتے صدائے مرحبا
وہ دور آخر ہو چکا ، جو ہر وہ ملیامیٹ ہوئے

لیکن نہیں تعلیم سے اس کو ہے مطلق واسطہ
تعلیم! حکم عام ہے اسلام میں کچھ شک نہیں
لاریب اس میں امتیاز ہرگز نہیں ہے مرد کا
لیکن یہ لغزش ہو گئی بے شک ہوئی بے شک ہوئی
تعلیم نسواں میں مسلمانوں نے مذہب تج دیا
اب یہ نتیجہ پُر خطر جو کچھ کہ ہے پیش نظر
انجام اس غفلت کا ہے لیکن ابھی ہے ابتدا

اسلام دین اللہ ہے آؤ جھکا دو اپنے سر
آتا ہے ورنہ وقت وہ روؤ گے سر پر ہاتھ دھر

"عصمت" مارچ ۱۹۱۸ء

مظلوم حسینہ

تراقِ ضیائے اقدس پر

دیارِ یثرب میں شامِ غربت سرِ حسینہ پر آ رہی تھی
زمیں پہ ہلکا سا تھا ترشح فلک پہ بدلی سی چھا رہی تھی

ہوا کے جھونکوں سے کپ کپاتی، قدم بڑھائے چلی بہ بین
کہ پہونچوں منزل پہ جلد جا کر، کروں شوامی کے اپنے درشن

کئے تھے کانٹوں نے پاؤں زخمی، پھٹی ہوئی سر پہ ایک ردا تھی
مگر جمالِ نبیؐ کی شیدا خیالِ محبوب میں فنا تھی

نہ دُکھ کی پروا نہ سُکھ کی خواہش نہ فکرِ سر تھا نہ ہوشِ جاں تھا
لگی تھی دل میں لگن لگی کی زباں پہ نامِ شہِ زماں تھا

پڑے تھے صدمے کچھ اس غضب کے کہ زندگی تھی ہوئی اجیرن
دیے تھے دُنیا نے وہ کے یاں تک کہ دوست بھی ہو گئے تھے دشمن

محبت الفت کو طاق میں رکھ ہوا تھا بیزار باپ ایسا
کہ بات کرنے میں عار آتی، نگاہ کرنا قسم ہوا تھا

پھر اس پہ سوتیلی ماں کے چلتر کہ نت نئے ظلم توڑتی وہ
گلاس توڑا، صراحی پھوڑی، یہ باتیں سب دل سے جوڑتی وہ

کبھی نئی تہمت کبھی تھا چھپڑا کبھی تھا الزام سر کشی کا
فریب تھا گر بخار ہوتا بنا بہانہ سدا غشی کا
نہ چین جاں کو، نہ شکھ بدن کو نہ دِل کو ٹھنڈک نہ مُنہ کو ٹکڑا
نہ پاؤں جوتی نہ سر دوپٹہ نہ ہاتھ مہندی نہ تن کو کپڑا
روئی کو جاڑوں میں وہ پھڑکتی! ہوا کو گرمی میں وہ ترستی
بلند نالے فلک پہ جاتے زہیر دِل سے گھٹا برستی
عذاب ڈھاتی وہ بیرن اماّ، مگر ستمگر نہ پوچھتا کچھ
پڑے تھے آنکھوں پہ ایسے پردے کہ سنگ دِل کو نہ سوجھتا کچھ
ان ہی جھمیلوں میں پٹ پٹا کر غریب بچی ہوئی سیانی
ہوا لڑکپن جو دِل سے رُخصت بھری نگاہوں میں آجوانی
مگر مصائب نے رُت نہ بدلی، نہ لی پریشانیوں نے کروٹ
مظالم جاں گزا کا توسن اُسی طرح اُڑ رہا تھا سرپٹ
نکاح کا مرحلہ تھا ظاہر مجاز اس کا وہی قصائی
غضب غضب پر یہ اور ٹوٹا جوانی آفت یہ اور لائی
چچا کا لڑکا پڑھا نہ لکھا گنوں میں شیطان سے بھی بڑھ کر
اِسی سے ظالم نے بات ٹھیرا وداع کی تاریخ کی مقرر
کرم کا اپنے یہ فیصلہ سُن، ہوئی کچھ حالت عجیب طاری
خدا کو ڈھونڈھا فلک کو دیکھا اور" ہائے ماں" کہہ کے چیخ ماری
بدن میں ایک سنسنی سی آئی، پچھاڑ کھا کر گری زمیں پر

عجب مگر تھا وہ باپ ظالم ہوا اثر کچھ نہ جس لعین پر
وفا کی دیوی رضا کی پتلی حیا کے معنی بتا رہی تھی
زبانِ خاموش ضبطِ دِل کا عجیب منظر دکھا رہی تھی

نہ سر پہ بھائی نہ ماں کا سایہ نہ کوئی سنگھی نہ کوئی ساتھی
پتا کی دہلیز سے بدیسن چلی پیا دیس چُپ چُپاتی
رذیل نندیں ذلیل شوہر نتیجہ بر کا تھا صاف روشن
پڑی تھی زخموں کی باڑ دِل میں کچوکے اس زخم کی تھی سوگن
غضب کا غصّہ ستم کی خفگی بلا کے جھگڑے قہر کی باتیں!
اِدھر سے کھٹ پٹ اُدھر سے گھُونسا کبھی تھی ٹھوکر کبھی تھیں لاتیں!
وبال تھی زندگی اب اس کو کہ موت کی آرزو میں مرتی
نمازیں پڑھ پڑھ کے گو دپھیلا وہ موت کی اب دعائیں کرتی
طلاق کیسی، خلع کہاں کا نہ جب ہو وارث ہی کوئی سر پر
تھا ایک لے دے کے باپ بے شک، سو وہ تھا سو دشمنوں سے بدتر
ہوا مصائب میں اور اضافہ اِدھر تو ایک اور سورت آئی
اُدھر سے جو آس تھی وہ ٹوٹی کہ باپ ظالم کو موت آئی

اندھیرے مُنہ کڑکڑاتے جاڑے غریب چولہے میں جاکے مرتی
کہاں کا شکوہ، گلہ کدھر کا، وہ ٹہل کرتی اور اُف نہ کرتی
دُلہن کی لونڈی، میاں کی ماما، وہ فرق تھا کچھ اگر تو یہ تھا کچھ

کچھ ایسی تھی بد نصیب ہستی کہ آہ تک میں اثر نہ تھا کچھ
خدا کا کرنا ہوا یہ ایک دن کہ کی نویلی نے ایک دعوت
مگر یہ دعوت نہیں تھی دعوت حقیقتاً تھی کسی کی شامت
پکانے والا تھا کون بیٹھا؟ وہی حسینہ غریب لونڈی۔
وہی تھی ماما، وہی تھی چھیری وہی ذلیل اور وہی کنونڈی
فجر کی اٹھی کھٹک میں مرتی پکا پکو کر جو کھانا لائی
نمک کی کثرت ٹماٹروں میں ایک آفت تازہ سر پہ لائی
سنائی باتیں، فضیحتیں کیں اُٹھا کے سب منہ پہ مارے برتن
کھڑی تھی خاموش خوں میں ڈوبی نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن
نشہ میں بیہوش شب کو شوہر گھسا تو آگے بڑھی نویلی
لگائیں ایک ایک کی چار۔ اس سے کہا کہ "جھوکی گئی سہیلی"
رہی نہ ظالم کو تاب سُن کر وہیں پکارا وہیں بلایا،
اُٹھا کے مارا، بٹھا کے مارا، غریب کو خون میں لٹایا،
لگائی کنڈی طلاق دے کر کیا اسی دم نکال باہر
غریب بیکس یتیم تنہا پڑی ہوئی تھی غرض سڑک پر
ڈراؤنی رات سر پہ آدھی اٹا ہوا خاک و خون میں تن سب
صدا یہ دی دل نے "اے حسینہ! کھڑی ہو سیدھی پہنچ تو یثرب
وہ سبز گنبد میں سونے والا عمل پہ اُمّت کے رونے والا
وہی ہے مولا وہی ہے آقا وہی ہے شوہر وہی ہے دولہا"

بلا کی بجلی چمک رہی تھی غضب کا پانی برس رہا تھا
کہ روضۂ پاک کی زمیں پر قدم کلاثوم نے آ کے رکھا

مزارِ اقدس کو بوسہ دے کر گری یہ کہتی ہوئی حسینہ
کہ "اے شہنشاہِ دین و دنیا فدا ہیں اے والیٔ مدینہ

کرم کی مجھ پر نگاہ مولا! بُری کٹی زندگی ہے میری
گنہ کی گٹھڑی ہے سر پہ بھاری اگر ہے کچھ تقویت تو تیری

اسی طرح روتی بلبلاتی زمیں پہ منہ رکھ کے سو گئی وہ
تھی ایسی محوِ یقیں بروگن کہ دُور دُنیا سے ہو گئی وہ

وہ دیکھتی کیا ہے ایک فرشتہ کھڑا سرہانے یہ کہہ رہا ہے
کہ "مرحبا آفریں حسینہ! یہ خوں جو زخموں سے بہہ رہا ہے

ہلا دیے اس نے عرش و کرسی ملائک آنکھوں سے مل رہے ہیں
یہ خوں نہیں نیکیوں کے چشمے بدن سے تیرے اُبل رہے ہیں

تم ہی سے روشن ہے بزمِ احمد رکھی محمد کی لاج تم نے
مٹا کے دُنیا میں اپنی ہستی کیا خدائی میں راج تم نے

"عصمت" دسمبر ۱۹۱۹ء

سُرخاب کا دمِ واپسین

(۱)

کنارِ برہم پتر پر اِک جا نشیمن تھا چھوٹا سا سُرخاب کا
گذرتے بہت دُور انسان کے نر و مادہ دونوں وہاں رہتے تھے
خوشی اس نشیمن پہ قربان تھی یہ کٹیا مسرّت کی ایک کان تھی
پرستش میں تھی نر کے مادہ اگر تو قربان سو جان سے اس پہ نر
نشہ میں محبت کے سرشار تھے کہ مونس تھے آپس میں غم خوار تھے
مسرّت کی نخوت میں اینٹھا ہوا یہ جوڑا تھا انڈوں پہ بیٹھا ہوا
امیدوں سے دل ان کے آباد تھے کہ بے فکر و خورسند تھے شاد تھے
یہ موسم تھا جیٹھ اور بیساکھ کا برستا تھا مینہ ریت اور خاک کا
وُہ لوؤں کا جھکڑ جو چلنے لگا تو پانی بھی ڈیرے بدلنے لگا
کنارے پہ دریا کے یہ حال تھا کہ کیچڑ تھی خشکی تھی یا ریت تھا
ترقی میں گرمی برابر رہی نہ پانی رہا اور نہ کیچڑ رہی
برہم پتر چٹیل سا میدان بنا ہری کھیتیاں جل گئیں لہلہا
کٹھن کچھ عجب دن درندوں پہ تھے کڑاکے کے فاقے پرندوں پہ تھے
کنارے پہ گھونگے نہ دریا میں جل مگر مچھلیاں باہر آئیں نکل
نہ پانی رہا اور نہ دانہ رہا فقط زندگی ایک بہانہ رہا

جب آنکھوں میں دونوں کا دم آگیا تو مادہ نے رو کر یہ نر سے کہا

"کبھی ایسی ایذا اُٹھائی نہیں مناسب ہو آقا تو چلیئے کہیں

چُگیں دانہ دُنکا، چلیں اور پھریں کسی طرح سے پیٹ آخر بھریں"

(۳)

سُنا جب یہ نر نے تو آگے بڑھا پَروں پہ رکھا اس کے منہ، اور کہا

رسیلی یہ آنکھیں چمک دار سر یہ نازک کمر اور رنگیں پر

زمرد ہو، پکھراج و نیلم ہے تو نشیمن کی ملکہ ہے بیگم ہے تو

ہے مالک میرے دین و ایمان کی میرے جسم کی، دل کی اور جان کی

غلامی کا اقرار جب کرچکا کروں اب میں انکار ہستی ہی کیا

مگر مجھ کو کہنی بس ایک بات ہے کہ معصوم بچوں کا بھی ساتھ ہے

یہ ننھی سی جان اور چھوٹے سے پر کریں گے بھلا کیونکہ طے یہ سفر

یہاں چھوڑیں ایسے دیوانے نہیں کہ نیانے ہیں، پیاری، سیانے نہیں

بِلا اِن کو دیں کیونکہ ہم خاک میں کہ دشمن ہیں چاروں طرف تاک میں

کلیجے کے ٹکڑے ہیں دونوں میرے حوالے کیا آج اِن کو تیرے

لگا اِن کو سینہ سے اور شکر کر کرم پہ خدا کے رکھ اپنی نظر

تجھے گھر سے باہر کروں، خود رہوں تو بہتر ہے میں چوڑیاں پہن لوں

بڑا دھان کا کھیت اس پار ہے علاوہ تو بیڑا ابھی پار ہے

وگرنہ یہ مالک سے ہے خدشہ اکا پڑا چلا پھر منہ اُٹھا بس اُدھر ہی چلا

اجازت نہ دے اب دل پریشان ہے خدا تیرا حافظ، نگہبان ہے"

(۳)

یہ مادہ نے تقریر جس دم سنی — قدم پہ گری اور رونے لگی
کہا اُس کا شاہد ہے میرا خدا — میرا اس سے مطلب یہ ہرگز نہ تھا
وہ اُٹھ اُٹھ کے قدموں پہ گرتی رہی — جو ممکن تھا اصرار کرتی رہی
نہ راضی ہوا جب کسی طرح نر — تو کہنے لگی اُس سے باچشمِ تر
وہ کنیز ہوں، نہ آقا مجھے بھولنا — میرا معاف کرنا کہا اور سنا"

(۴)

گلے سے لگا اس کو بچوں سے مل — اُڑا واں سے افسردہ و مضمحل
لیے ساتھ حسرت کو، ارمان کو — چلا چل، چلا چل، ہوا پار وہ
لگا تاک سیدھا وہ بگٹٹ اُڑا — مقدر نے پر یاں بھی دھوکا دیا
جسے کھیت سمجھا بیابان تھا — جسے وہاں جانا، وہ میدان تھا
لگا جب نہ خوراک کا یاں پتہ — تو مجبور لاچار آگے بڑھا
نظر ایک جا آئے چاول پڑے — گرا تول کر پر، کہ لے کر اُڑے
مگر واں شکاری تھا اک تاک میں — بچھا دانہ بیٹھا تھا وہ خاک میں
لیا کھینچ جل اور دیئے نوچ پر — مقید کیا جال میں ڈال کر
لگا کرنے گاہک کا پھر انتظار — کہ مدت کے بعد ایسا آیا شکار
نصیبہ نے عرصہ میں کی یاوری — کہ گھر بیٹھے دولت خدا نے یہ دی

(۵)

گیا دن گذر جب چھپا آفتاب — تو مادہ کا بڑھنے لگا اضطراب

غضب پہ غضب ایک اور یہ ہوا ۔۔۔ کہ اُٹھی پہاڑوں سے کالی گھٹا
لگی کہنے "دلا مجھے کیا ہوا ۔۔۔ یہ سینے میں دل کیوں دھڑکنے لگا
کروں کیا؟ کدھر جاؤں؟ دیکھوں کہاں ۔۔۔ میں اب کس سے پوچھوں میرا پی کہاں"
مرا یا کہ زندہ پھنسا جال میں ۔۔۔ یقیناً یہ کالا ہے کچھ دال میں
یہ وہ موسلا دھار پانی! کڑک کا یہ زور ۔۔۔ یہ بجلی! یہ بادل! ہوا کا یہ شور
یہ پڑنے کو اولے بھی ہیں آج کیا ۔۔۔ سوامی نگہبان تیرا خدا"

(۶)

پروں میں لئے دونوں بچوں کو تھی ۔۔۔ مگر مضطرب اور حیران سی
یکایک جو کچھ جی میں آیا خیال ۔۔۔ تو گردن کو اندر سے باہر نکال
لگی دیکھنے ہر طرف غور سے ۔۔۔ کہ اڑنے کو شاید کوئی رہ ملے
غضب کا اندھیرا تھا چھایا ہوا ۔۔۔ نہ تھا ہاتھ کو ہاتھ تک سوجھتا
قیامت کا پانی، غضب کی کڑک ۔۔۔ دہل جائے دل جس سے ایسی چمک
نہ کچھ نیند تھی اور نہ کچھ بھوک تھی ۔۔۔ سوامی کے درشن کی اک ہوک تھی
یکایک یہ دی دل نے اُس کے صدا ۔۔۔ نشیمن میں بیٹھی ہے خاموش کیا
اندھیرے اُجالے ہوئے جائیں گے ۔۔۔ یہ دنیا کے جھگڑے چلے جائیں گے
محبت کی منزل میں ہر ہر قدم ۔۔۔ مکمل مصیبت ہو یا بیش و کم
حقیقت تو یہ ہے کہ راحت ہی یہ ۔۔۔ جو آفت بھی آئے تو نعمت ہے یہ
اگر بال بھی اُس کا بیکا ہوا ۔۔۔ تو پھر زندگی کا رہا کیا مزا
اذیت کوئی اس راہ میں سہہ چکی ۔۔۔ اگر موت آ جائے تو ہے زندگی

یہ کہہ منہ پہ بچوں کے بوسہ دیا — کہا اُن سے اتنا کہ "حافظ خدا"

(۷)

فضا میں جو نکلی تو گھُپ گھپ تھا — اور ابرِ سیاہ سر پہ چھایا ہوا
بھٹکتی پھری ہر طرف باوفا — کہ شاید نشاں پائے محبوب کا
گئی رات اتنے میں آدھی گذر — یہاں تک کہ آ پہنچا پچھلا پہر
ہوئی تھک کے چُور اور کہنے لگی — "مدد یا علیؓ یا علیؓ یا علیؓ
برہ کی ستائی ہوں لاچار ہوں — بڑی قیدِ غم میں گرفتار ہوں
ملاوے کوئی مجھ سے پیتم میرا — بھلا اس کا ہووے بھلا ہو بھلا"
کلیجہ میں تھی کھلبلی سی مچی — اور ایک آگ اندر تھی سلگی ہوئی
بچھونوں میں مخلوق سوئی ہوئی — کوئی مطمئن، کوئی روتی ہوئی
پرند آشیانوں میں دبکے ہوئے — وہ سوکھے ہوئے یا کہ بھیگے ہوئے
غرض ہر طرف عالمِ خواب تھا — اور ایک نیند کا جال بچھا ہوا
گھڑی وہ کہ سنسار بیہوش ہے — سماں وہ کہ جو شئے ہے خاموش ہے
یہ شیشم سے گونجی یکایک صدا — کہ اے سونے والو بتا دو ذرا
کہیں میرا محبوب دیکھا ہو گر — تو لِلّٰہ دو مجھ کو اُس کی خبر"
ہوا سے نہ کی ختم تھی یہ صدا — کہ نالہ بلند ایک گھر سے ہوا
"خبردار ہشیار اے نازنیں! — نہ پھنس جائیو جال میں تو کہیں!
مقدّر کا مارا گرفتار ہوں — میں مجبور و معذور و لاچار ہوں
مگر تجھ سے غافل نہیں ایک دم — کروں کیا کہ ٹوٹا ہے مجھ پر ستم

میں گو دور تجھ سے پڑا ہوں یہاں مگر تن یہاں ہو تو ہو تجھ میں جاں
کیا ہے مقدّر نے ساماں اور گھڑی دو گھڑی کا ہوں مہمان اور
تجھے تیرے بچوں کو دنیا نصیب بحقّ رسول و طفیل حبیب
صبح ذبح ہوں گا یہ طے ہو چکا تو رخصت ہو پیاری ہُوا جو ہُوا
یہ اونچا سا ہے سامنے جو مکاں کسی کی ہے دعوت، صبح کل وہاں
گڑھا۔ اپنا جی مت، میں قرباں ہوا تو زندہ رہے، تیرا صدقہ گیا"

(۸)

ہوئی ختم فریاد نر کی اودھر نمودار ادھر سے ہوئی وہاں سحر
خوشی سے خریدار ہنستا ہوا پکڑ ذبح کرنے اُسے لے چلا۔
نکالی چھری اُس نے ایک آبدار غضب اس کا پکڑا ستم اس کی ہار
پکڑ اُس کی گردن کو مٹھی میں لے کیا قصد جوں ہی کہ ذبح کرے
صدا کان میں آئی "و خوش سیر! خدا کا تجھے واسطہ رحم کر
تجھے قتل یوں جس کا مرغوب ہو ارے سنگ دل میرا محبوب ہے!
میں بسمل ہوں ظالم دعا میری لے بچا ہو گی کے مجھے داغ سے
یہ مجبور ہے اور تو با اختیار جزا اس کی دے، تجھ کو پروردگار
کرم کیا کرے رحم تجھ پر کریم نہ کر دونوں بچوں کو میرے یتیم
تجھے اپنی اولاد کا واسطہ چھری کی نہ تو دھار ہم کو دکھا
نظر کی جو اوپر خریدار نے تو دیکھا کہ مادہ کی فریاد ہے
بلکتی ہوئی اور پھڑکتی ہوئی لگاتی ہے چکّر تڑپتی ہوئی

دیا ساری دنیا کا گو واسطہ نہ ظالم کو آیا رحم پر ذرا
نہ تاخیر بالکل ہی ذبح میں کی ہنسا اور ہنس کر چھری پھیر دی
تلملی اِدھر خون کی جب بہی تو مادہ یہ کہتی ہوئی گر پڑی
"میں قربان اِس خون کے مہ لقا نثار اس کے جو مجھ پہ قرباں ہوا
ارے بھائی انسان لے رحم کر خدا کے لئے اب مجھے ذبح کر"

خریدار نے خوش خوش اس کو لیا لیا اور لے کر ذبح کر دیا
لگی کہنے، مادہ دمِ والپسیں کہ "اے مرد بیچوں تمہیں آفریں
نہ ہو دِل پہ مطلق تمہارے اثر بلا سے ہو برباد عورت اگر
میری طرح لاکھوں بہن مائیاں مٹیں اور نہ تیوری پہ بل لائیاں
کہاں تک یہ نفسانیت کب تلک ڈرو رنگ لائے گا ایک دن فلک

بہارِ چمن سب یہ جانے کو ہے
خزاں اس میں اِک روز آنے کو ہے

"عصمت" جون ۱۹۳۱ء

مسلمانوں [1] سے

ہمارا منہ کہاں ہم کو میسّر ایسی ساعت ہو
عزیزوں کا یہ مجمع ہو بزرگوں کی یہ صحبت ہو

اب آئے ہو تو سُن لو داستاں کچھ دردمندوں کی
تکدّر ہو مسرّت ہو خوشی ہو یا کہ زحمت ہو

یہ جگ بیتی نہیں ہے داستاں اپنی ہی بیتی ہے
بزرگوں درگذر کرنا اگر شکوہ شکایت ہو

تم ہی سے گر نہ روئیں ہم تو یہ دکھڑا کہاں روئیں
تم ہی کھیوا ہو کشتی کے، تم ہی مذہب کی رایت ہو

تم ہی سے نام ہے صلّی علیٰ زندہ محمدؐ کا
تم ہی اسلام کے حامل، تم ہی اس کی عبارت ہو!

تم ہی سے مسجدیں آباد، جاری خانقاہیں ہیں
تم ہی اس غنچہ اسلام کی وجہ مسرّت ہو!

تم ہی سے علم دیں روشن، تم ہی سے مدرسے ہماری
خدا رکھے تمہیں اسلام کے تم ابر رحمت ہو!

اب اس کے بعد کہنا ہے جو کچھ وہ نفس مطلب ہے

---

[1] تربیت گاہ بنات کی سواری کے واسطے امدادی جلسہ میں پڑھنے کے لیے ۱۲

کریں کچھ عرض خدمت میں، اگر ہم کو اجازت ہو

ہمیں معلوم ہے الحق مُرّ کیا کریں لیکن
زباں روکیں کہاں تک جبکہ اظہارِ حقیقت ہو؟
محبّت کے مدارج جس قدر ہیں ختم لڑکوں پر
تواضع ہو کہ خاطر ہو مدارات ہو کہ دعوت ہو
زکوٰۃ وصدقہ و خیرات جو کچھ ہے وہ مردوں کو
نہ اس کی مستحق لڑکی نہ دعوے دار عورت ہو
محدّث ہوں تو لڑکے ہوں، جو قاری ہوں تو لڑکے ہوں
ہمیں تا زندگی مطلق نہ اس کی کچھ ضرورت ہو
یہ ہی عہدِ رسالت میں بھی تھا عورت کا کیا بُرا
جواب ایمان سے دینا اگر دل میں صداقت ہو
چلو ایک بات بتلاؤ حدیث ہے کیسے پایہ کی
مسلمانوں کی اماں عائشہ رضؓ سے جو روایت ہو
زبانِ پاک سے کس کی صدا گونجی یہ دنیا میں
"حصول علم بے شک فرض ہو مرد ہو کہ عورت ہو"
ہٹو چودہ صدی پیچھے، درود اس پر سلام اس پر
مقدّس جس کی ذاتِ پاک پر ختمِ نبوت ہو
اُدھر ہیں لوگ اس دُھن میں مٹا دیں دینِ احمدؐ کو

ادھر تکمیلِ دیں ہو اور آنحضرت کی رحلت ہو
مسائل ہیں جو لاینحل کرے اب کون ان کو حل
عمرؓ خاموش و ساکت ہوں خلافت محوِ حیرت ہو
خدا کی شان ہے مردوں کی عقلیں ہوں جہاں ساکت
وہاں پتھر کو پانی کرنے والی ایک عورت ہو
کہو سچ ہے غلط! صدیقؓ کی بیٹی وہ صدیقہ
مسلمانوں کی ماں مردوں پہ بھی جس کو فضیلت ہو
خدا اس کا رسول اس کا حدیث اس کی، قرآن اس کا
کلامِ پاک جس کی پاک بازی پر شہادت ہو
خدا کی شان ہمارے علم کو اب تم گنہ سمجھو
بلا سے قوم ہو برباد، نکبت ہو کہ ذلت ہو
ہماری گود سے کافر نہ ہوگے پھر تو کیا ہوگے۔
تم ہی کو نام سے اسلام کے جس وقت وحشت ہو
کوئی دنیا میں ایسی قوم زندہ ہو تو بتلا دو
جسے تعلیم سے نسواں کے اس درجہ نفرت ہو
بُرا مت ماننا لچھّن یہ ہیں دنیا میں مٹنے کے
میسّر آج خواہ کتنی ہی دولت ہو کہ ثروت ہو
یہی رفتار ہے تعلیم نسواں کی تو لکھ رکھو
نموّل لاکھ ہو موجود، کیسی ہی امارت ہو

وہ بچے ہوں گے پیدا جو خدا سے دور بھاگیں گے
جنہیں اسلام سے نفرت جنہیں کلمہ سے وحشت ہو
خدارا عفو کر دینا یہ شکوہ گر گراں گذرے
نہیں اسلام کا شیوہ کہ دل میں کچھ کدورت ہو۔
یہ سب تمہید تھی اب اس کے بعد ایک التجا بھی ہے
جو رد کر دو تو مالک ہو قبول ہو گر عنایت ہو
تصدق اپنے بچوں کا، ادھر بھی ایک نظر ڈالو
ہماری بھی کتھا سن لو، اگر دم بھر کی فرصت ہو
جگر کے پار ہوں گے، اب وہ نالے لب پہ آتے ہیں
ہلا دیں گے کلیجہ، دل میں گر کچھ بھی حرارت ہو
دنیا کی خوشیاں عیش چلے سب مبارک ہوں
میسر رات دن آرام ہو، آسائش ہو، راحت ہو
تمہاری مشکلیں آساں، تمہاری خواہشیں پوری ہوں
الگ ہو درد و غم اور دور تم سے رنج و کلفت ہو
مگر از راہ شفقت ایک بات ہم کو بھی بتلا دو
خدا کا شکر و احسان صاحب عقل و فراست ہو
شریک کلمۂ توحید ہو، محسن ہو بھائی ہو،
ہم ہیں جس نام کے شیدا اسی کی تم بھی امت ہو
مسلمان لڑکیاں اغیار میں تعلیم کو جائیں

جہاں تبدیلِ مذہب کی انہیں دن رات رغبت ہو
ملیں کھانے کو مچھلی ٹوسٹ، انڈے روسٹ روزانہ
تو پینے کو انہیں لیمن ہو، سوڈا برف، شربت ہو
کبھی انعام میں چاقو کبھی صندوقچیاں رنگیں
کھلونا ہو کبھی اعلیٰ تو کاپی خوبصورت ہو
یہ سب کچھ کس لیئے! اس واسطے اور اس لیئے بیشک
کہ مذہب کی ہر ایک ممکن طریقہ سے اشاعت ہو
گذرتی ہے جو کچھ اسلام پر العظمت للہ
ادھر آؤ کبھی دیکھو اگر تھوڑی سی مہلت ہو
وہ درد انگیز منظر ہے کہ ٹکڑے دل کے اڑ جائیں
اگر دیکھیں مسلمان اور تھوڑی سی حمیت ہو
فضائے صبح میں جس دم موذن کی اذاں گونجے
گھروں میں کلمہ اقدس مساجد میں اقامت ہو
یہ گذرا نے کی باتیں ہیں کہ ایسی نور کی ساعت
مسلماں بچیوں کے منہ پہ "یوحنا" کی آیت ہو
یہ گوناگوں تماشے روز و شب دنیا دکھاتی ہے
تامل سے اگر دیکھو، مگر چشم بصیرت ہو
یہ کیسا وقت نازک ہے؟ بتاؤ اے مسلمانوں
ہمارا دین رخصت، پردہ ناموس غارت ہو

ہم اپنے ہاتھ سے اسلام کے جوہر فنا کر دیں
ہمارا رنگ آزادی ہوا پردہ ہم سے الغطہ ہو
غضب ہے لینے والے نام احمدؐ کے ہوں یوں رسوا
نہ شکلوں پر ہو نور اُن کے، نہ چہروں پر شرافت ہو
بھرا دل ہے پڑا جھوئیں کہاں تک ہائے یہ قصّہ
اُٹھائے اب خدا ہم کو کہ اِس جھگڑے سے فرصت ہو
دکھائیں اپنی حالت اب اگر دیکھو توجہ سے
سُنائیں دردِ دل اپنا اگر سننے کی طاقت ہو
ہماری "تربیت گاہ بنات" اور بورڈنگ اس کا
کہ جس کے آج اے احباب تم سب زیب و زینت ہو
تمام ہندوستان میں اک اکیلی انسٹیٹیوشن ہے
مُسلمان بچیوں کی ہر طرح جس میں حفاظت ہو
خدا کے نام کو سمجھیں، پڑھیں لکھیں، ہنر سیکھیں
نہ ہو نام ہی مُسلماں دل میں بھی کچھ اِس کی عظمت ہو
پتہ دیتی ہے کچھ اے قوم مستقبل کا یہ کوشش
خدا کا فضل گر شامل ہو، اور تیری اعانت ہو
قریب آئی ہے وہ ساعت نہیں ہیں دور کچھ وہ دن
کہ ہر بچی یہاں کی فخرِ دیں ہو، فخرِ ملّت ہو
مگر درکار ہے اے قوم، کچھ احساس خودداری

اگر پہلو میں دل ہو اور دل میں کچھ حمیت ہو

مدارس ہوں جو غیروں کے وہاں گاڑی بھی ڈولی بھی

ہمیں آنا پڑے پیدل بخار ہو یا حرارت ہو

ڈر کے آنے سے بچی اس لئے یاں پر محلہ کی

کہ چھوٹے چھوٹے پاؤں کس طرح طے یہ مسافت ہو؟

بہت سی بچیاں محروم ہیں فیضان سے اس کے

کریں کیا؟ کیونکہ آئیں؟ جب نہ اتنی استطاعت ہو

ہماری ناؤ کردو پار، ہے منجدھار میں اٹکی

کہ ہم پردہ نشین ہیں اور تم مردوں کی صورت ہو

ہمیں لے دو اگر گاڑی تو کیا اس میں کلام ہے کچھ

کہ بڑھ کر اس سے قرآں کی بھلا کیا اور خدمت ہو

ہمارے چھوٹے چھوٹے ہاتھ ہمارے ننھے ننھے دل

کہ جس میں شکر کی طاقت ہو نے بدلہ کی قدرت ہو

کسی قابل نہیں لیکن دعائیں دیں گے تم کو یہ۔

ترقی مال و دولت میں ہو اور عمروں میں برکت ہو

دعائیں سو لو جلدی، بس اے اللہ کے بندو

دعا وہ ایک گھوڑا ایک گاڑی جس کی قیمت ہو

خدا بچوں کو عمریں دے تو برکت ہو کمائی میں

ہمارا حق جو ہو اس میں وہ ہم کو بھی عنایت ہو

خالد ابن ولیدؓ[1]

ہنسایا خوب ہنس ہنس کر خوشا اے مجلس فانی
مگر اب رُت بدلتی ہے گیا وقتِ غزل خوانی

گھٹائیں دود ھیا اودی سیہ گِھر گِھر کے اٹھی ہیں
جو بجلی ہے تو آفت ہے۔ ہوا ہے گر تو طوفانی

گذاری رات ساری قہقہوں میں آج کھل کھل کر
ہنسی ہونٹوں پہ کھیلی خوب البیلی و مستانی

اُڑائے خوب گل چھرّے بس اب خاموش ہو جاؤ
خوشی رخصت ہوئی کوسوں ہے وقتِ مرثیہ خوانی

جمع کیں صورتیں جو تو نے آج اے خاک سرگودہ
ہیں گی یاد تجھ کو بھی یہ شکلیں پاک و نورانی

مگر یہ منظرِ دلکش گھڑی دو اک کا میلہ ہے
بسیرا لے چکے سب دہلوی ہوں یا کہ ملتانی

سماں درہم ہوا بلبل پیامِ صبح لے آئی

---

[1] یہ نظم سرگودھا میں پنجاب مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے موقعہ پر ۳۰ جون ۱۹۲۴ء کو حضرت علامہ محترم نے اپنی تقریر سے پہلے پڑھی تھی ۱۲

تکلّف برطرف اب ختم کر تو اپنی مہمانی
وے اے کلمۂ توحید کے شیدائو! امتوالہ!
ملا نا آنکھ گر باقی ہو احساسِ مسلمانی
الا اے قوم بد قسمت یہ حالت اور یہ صورت
ہوئے اعلیٰ سے ادنیٰ تم بنے شاہوں سے زندانی
خدا کی شان اب وہ دوسروں کو درسِ عبرت ہوں
کیا کرتے تھے جو کل تک شہنشاہی۔ جہاں بانی
علاجِ دردِ دل کر دو ماجوان ہو تیز عقلیں ہیں
ہمیں تڑپ کے ہے تڑپا رہا یہ دردِ پنہانی
تم ہی وہ ہو کہ ناممکن کو ممکن کر دیا تم نے۔
تم ہی وہ ہو کہ حل کر دی ہر اک مشکل بہ آسانی
امانت کا پڑھا کلمہ تمہاری آل غالب نے
صداقت کے تمہارے معترف تھے دشمنِ جانی
رگڑ دی قیصر و کسریٰ کی گردن یہ نتیجہ عنت تھی
گرے قدموں پہ اک اندھے کے یہ تھا جوشِ ایمانی
خیالِ یار آتے ہی تڑپ اٹھا دلِ زخمی
کہاں تک روئیں روتے روتے خوں بھی ہو گیا پانی

لہ حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ ہے ۱۲

فنا کرنے کو دین احمدی کے قادسیہ میں
ہوئے آمادہ پیکار جب رومی و نصرانی
تمہیں معلوم ہے تعداد اپنی اور دشمن کی
ہزاروں کے مقابل میں تھیں لاکھوں تیغ برّانی
ابھی تاریخ زندہ ہے بتا دے گی جو پوچھو گے
تھی مٹھی بھر مسلمانوں کی دنیا دشمنِ جانی
مگر میدان میں جس وقت تیغ خالدی چمکی
تو عالم دنگ تھا۔ حیرت میں تھے رومی و نصرانی
نہ تھی تلوار۔ بجلی تھی۔ قیامت تھی کہ آفت تھی
کہ دو گھنٹے میں پتّہ دشمنوں کا ہو گیا پانی

اسی میں اک تماشہ اور بھی لو آؤ دکھلا دیں
بتائیں نوجوانوں تم کو ہم اسلام کے معنی
فتح کا دوسرا دن تھا دیا تھا تیسرا شاید
کہ شیرِ قادسیہ تھی شجاعت جس کی لاثانی
وہی خالد ٹپکتا خون تھا تلوار سے جس کی
وہی شمع شبستانی، وہی شیرِ نیستانی
یونہی پھرتا پھراتا ایک دن پہنچا ابیلا میں
جہاں مفتوح تھے آباد بعدِ خانہ ویرانی

اکیلا چپ چپاتا جا رہا تھا دیکھتا کیا ہے۔
کہ بڈھا پھونس گرجا میں کھڑا ہے ایک نصرانی
گیا اندر تو راہب بھی تعجب سے قریب آیا
لگا کہنے کہ تیری شکل ہے یہ جانی پہچانی
ارے او بے ایمان و بے حیا تو ہی ہے وہ خالد
کہ جس کی وجہ سے ہم نے اُٹھائی یہ پریشانی"
کیا گلنار ہمارے خوں سے تو نے قادسیہ کو
کرے غارت خدا کم بخت تیری شکلِ شیطانی
بھرا تھا جوش سینہ میں نہ جب اس پر بھی صبر آیا
تو دہکّا دے کے یوں بولا کہ اے سرتاجِ حیوانی
شجاعت تیری ناہنجار یکتا ہے زمانے میں
تیری جرأت تیری تلوار اک دنیا نے ہی مانی
ارے کچھ پھوٹ تو منہ سے ہوا کیا تجھ کو اے ظالم
نہ جرأت ہے نہ طاقت ہے نہ غصّہ نے مسلمانی
وہ راہب پھونس جو اک پھونک میں خالد کی اُڑ جاتا
کھڑا خاموش تھا ساکت ، بنا تصویرِ حیرانی
کہ آئی مسکراہٹ دفعۃً خالد کے چہرے پر
جواب اُس کو دیا اور کس طرح ؟ با خندہ پیشانی

کہا "کہہ لے جو کہنا ہو سُنا لے جو سُنانا ہو
کہ تو معذور ہے اسلام کی وقعت نہیں جانی
تُرا پہلے ہی گستاخی پہ قصّہ پاک کر دیتا
مگر مجبور ہوں ہاتھوں میں ہے زنجیر سُلطانی"
مِرا سُلطاں مِرا آقا مِرا مالِک مِرا مولا
درود اُس نام اقدس پر جو ہے اسلام کا بانی"
ہمیں یوں حکم دیتا ہے کرو تعظیم بڈھوں کی
اُٹھانا ہاتھ مت اُن پر وہ مُسلم ہوں کہ نصرانی"
مَیں ہوں ناچار میرا ہاتھ تجھ پر اُٹھ نہیں سکتا
لڑائی پاک جذبہ تھا سمجھ مت اِس کو نفسانی"

سُنے الفاظ جب خالد کے اور یہ کیفیت دیکھی
تو اس خاموش راہب پر چڑھا اک رنگِ وجدانی
گِرا قدموں پہ یہ کہہ کر "خدا را عفو کر مجھ کو
مِرا جذبہ تھا شیطانی تیرا تھی شانِ رحمانی
میں ہوں توریت کا عالم شہادت اِس کی دیتا ہوں
کہ لاریب ادفع و اعلیٰ ہے یہ تعلیمِ انسانی"
اُصول اچھے، عمل اچھا، الحق تیرا نبیؐ سچا
رسولِ ہاشمی کی شان میں نے آج پہچانی"

محمدؐ مصطفےٰ جس سے یہ سر اکڑا رہا اب تک
شہادت پر اُسی کی آج جھکتی ہے یہ پیشانی"

اشاعت جس سے مذہب کی ہوئی تعلیم وہ یہ تھی
اسے اب خواہ لوگ آرہ کہیں یا تیغِ جبرانی
کہیں گے نثر ہیں باقی جو کچھ اب ہم کو کہنا ہے
اُٹھائیں خواہ مخواہ ہم قافیہ کی کیوں پریشانی
"درویش" سنہ ۲۴ء

کتبۂ تربت

ادیبۂ سحر طراز جنت مکانی

محترمہ خاتون اکرم صاحبہ

خدارا اس طرف آنا تو پڑھ کر فاتحہ جانا
بہو راشد کی ہے خاتون اکرم ہادیٔ نسواں

غریب و نیک بچی بے زبان و بے وطن ہے یہ
دلہن جھانسی کی جو آئی تھی وہ راقد دلہن ہے

۱۵ نومبر سنہ ۲۴ء

بہن کا خط بھائی کے نام

اماں کی جاں نورِ نظر ابّا کے سر بدلے کا ثمر
کشتی کا گھر کی ناخدا جیتا رہے بیرن قمر
گر باغ کا مالی ہے تو، رانڈوں کا بھی والی ہے تو
گلشن کو دے پانی اُدھر۔ بچوں کا دل رکھے اِدھر
آپا خدا بخشے انہیں۔ کس کس طرح بخت کو بھرا
جھومر دیا۔ جھالے دیے۔ ماں گا نہ ترکہ عمر بھر
اب یہ بھی ہے شانِ خدا۔ معصوم بچّے اُن کے دو
ماں باپ کا سایہ نہو۔ مارے پھریں وہ دربدر
ہے آج دن یہ عید کا میرے بلائے آئے تھے
میں کیا کہوں ہائے قمر۔ دِل کٹ گیا ہے دیکھ کر
ماں باپ کے یہ لاڈلے عبرت کی ایک تصویر تھے
پاؤں میں جوتی تک نہ تھی کرتے بیری سر بسر
میں کیا کروں مجبور ہوں، ہائے پرائے بس میں ہوں
ہے مرحلہ سسرال کا اور ساس نندوں کا اثر
میں تیرے دوارے آئی ہوں معصوم بچّے لائی ہوں
آپا کے بچّے جان کر بچوں کا صدقہ دان کر
حاکم ہے تو محکوم یہ آقا ہے تو مظلوم یہ
ترکہ نہ دے ورثہ نہ دے۔ یہ بھانجے ہیں رحم کر

۱۳۱۶۸

"عصمت" اکتوبر ۱۵ء

ہندوستانی صحافت میں عصمت کا درجہ

ہندوستان کے چند مشہور اخبارات و رسائل کے الفاظ میں

عصمت کے تمام مضامین مفید و دلچسپ ہوتے ہیں۔ بہترین قسم کا لٹریچر فراہم کرتا ہے یہی رسالہ ہے جو بیس سال سے نسوانی ترقی اور بہبودی کے لئے سینہ سپر ہے۔" — بمبئی کرانیکل

عصمت" یورپ کے اعلیٰ درجہ کے رسائل کے سانچہ میں ڈھالا گیا ہے۔" — اسپرزوور

عصمت" اس رسالہ کو خواتین میں بڑی کامیابی ہوگی۔" — پاینیر

عصمت بہت قابلیت کے ساتھ ۲۰ سال سے شائع کیا جارہا ہے" — انڈین میل

عصمت ہندوستان بھر کے تمام زنانہ رسالوں کا سرتاج ہے" — ہمدرد

عصمت اپنے وقت کا بہترین زنانہ رسالہ ہے۔" — مدینہ

عصمت ترقی نسواں کے لئے نہایت قیمتی خدمات انجام دے رہا ہے۔" — سیاست

عصمت کے ادبی مضامین کا معیار بلند ہے۔ — ہمایوں

عصمت ہر اعتبار سے قابل تعریف ہے۔ — نسائی

عصمت تمام زنانہ رسائل میں اول ہے۔ — درویش

عصمت صنف نازک کی نہایت بیش بہا خدمات انجام دے رہا ہے مستورات کیلئے نایاب رسالہ ہے۔ — اودھ اخبار

عصمت ممتاز زنانہ رسالوں میں سب سے اول گنا جاتا ہے۔ — کشمیر

عصمت مسلمان خواتین کی نہایت شاندار خدمات ۲۵ سال سے انجام دے رہا ہے — پیشوا

عصمت اپنی خوبیوں کے لحاظ سے نسوانی رسائل میں چوٹی کا پرچہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ — الخلیل

عصمت صوری و معنوی ہر اعتبار سے شریف خاتونوں کے ہاتھ میں جانے کے قابل ہے — دکن ریویو

عصمت اعلیٰ درجہ کا رسالہ ہے — ہندو مدراس

عصمت پابند وقت نہایت حسین اور بہت دلچسپ و مفید رسالہ ہے — وکیل

عصمت بہت مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل کرچکا ہے اور پابندی وقت کیلئے ضرب المثل ہے — نظام المشائخ

عصمت عام زنانہ رسالوں کی طرح خرافات مضامین کا مجموعہ نہیں ہے اس کے مضامین حقیقتاً مفید ہوتے ہیں، — ملت

عصمت ہندوستان کے زنانہ پرچوں میں ایک امتیازی خصوصیت اور اعلیٰ شان رکھتا ہے۔ — سفینۂ نسواں

عصمت عصمت کی ہر دلعزیزی ایک عجوبہ سے کم نہیں۔

عصمت تمام زنانہ پرچوں میں قابل اعتماد پرچہ ہے۔ — اودھ پنچ

عصمت عورتوں کے لئے نہایت مفید مضامین شائع کرتا ہے، — زمانہ

عصمت کا سالانہ چندہ پانچ روپے قسم دوم معمولی کاغذ صرف تین روپے (۳ ے)، منیجر عصمت دہلی

Cover Printed at the Calcutta Art Press, Delhi